طبع اول ۱۰۰۰

طبع دوم ۱۰۰۰

آریہ سماج کے مایۂ ناز مسئلہ قدامتِ مادہ کی دنداں شکن اور لاجواب تردید

ازالۂ مادہ

مصنفہ

پادری مولوی سلطان محمد خان صاحب افغان۔ فاضل عربی
مشہور مناظر و مترجم متعدد کتب طبعیات و کیمیات بزبانِ فارسی

جسے

بعد اضافہ و ترمیم

ایم۔ کے۔ خان۔ مہان سنگھ باغ۔ لاہور

نے شائع کیا

سنہ ۱۹۲۷ء

بار سوم ۱۰۰۰ قیمت ۲/

دیباچہ

آریہ سماج کے مشہور مایۂ ناز مسئلۂ قدامت کی تردید اور حدوثِ مادہ کی تصدیق میں اس رسالہ کی دو ہزار کاپیاں تھوڑے ہی عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں اور اُسے اس قدر مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی کہ ہر طرف سے اس کی مانگ برابر جاری ہے۔ اب معتد بہ اضافہ اور ترمیم کے بعد یہ تیسری طبع اہلِ ذوق اور صاحبانِ تحقیق مذہبی کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ فاضل مصنف نے اس مختصر رسالہ میں قوانین سائنس، براہین منطق اور دلائل فلسفہ کی بنا پر مادہ کے حادث اور محتاج بالغیر ہونے کو اس خوبی و خوش اسلوبی سے ثابت کر دکھایا ہے کہ ضخیم و بسیط کتب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ اسقدر اعلیٰ اور ارزاں رسالہ اس مضمون پر دنیا بھر میں کوئی نہیں ہے۔ شائقین و محققین کے متواتر تقاضاؤں کی خاطر رسالہ ہٰذا کی طبع ثالث ہدیہ ناظرین ہے اور امید ہے کہ ہندوستان کا ہر ایک اخبار اس پر ریویو لکھ کر ہمیں مشکور کریگا اور مسیحی و مسلم حضرات کو آریہ سماج کے بالمقابل یہ رسالہ ایک زبردست مناظر کا کام دیگا۔ جو صاحب اسکے جواب میں قلم اٹھائیں وہ مہربانی سے اپنا جواب ہمیں ارسال فرمائیں۔ نیز مضمون رسالہ سے اتفاق رکھنے والے اصحاب سے بھی ہم گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی اپنی راؤں سے اطلاع دیکر ہمیں رہینِ منت فرمائیں ❖

مہاں سنگھ باغ لاہور ستمبر ۱۹۲۷ء   خان

فہرست مضامین

دیباچہ

باسمک اللّٰھم فاطر السمٰوٰت والارض

تمہید مبدءِ فیاض نے صرف انسان ہی کو یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ کارخانۂ فطرت اور صحیفۂ قدرت کے تمام اثرات و تاثرات فعل و انفعالات کو بسلسلۂ علت و معلول میں پیوست کر کے اور یومیہ مشاہدات و روزانہ واقعات میں سے بعض کو صغریٰ بعض کو کبریٰ اور بعض کو حدِ اوسط بنا کر حسب قانون فطرت نتیجہ اخذ کرتا رہے۔

علت العلل لیکن اس کارخانہ کے جملہ اسباب یکساں نہیں ہوتے۔ بعض اس قدر بدیہی اور اظہر ہیں کہ بلا تامل خود بخود سمجھ میں آ جاتے ہیں اور بعض اس قدر گہرے مخفی اور مستتر ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفر بھی ان کے ادراک سے عاجز اور قاصر رہ جاتے ہیں۔ خدا یا علت العلل اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس معمائے مخفی اور رازِ سربستہ کے تجسس و انکشاف میں حسب ذیل تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

خدا کی نسبت تین قسم کے خیالات اول **خدا پرست** جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات بحیثیت مجموعی معلول اور مخلوق ہیں ان کی علت موجدہ اور سبب اول وہی ذات واجب الوجود ہے جس کو لوگ اللہ، یہوواہ، یزدان، خدا، پرمیشور وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے بڑے فلاسفر اور سائنسدان اس بات سے متفق ہیں۔

دوم وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مادہ بے حس و حرکت چیز ہے اور وہ بذاتہٖ کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا اس پر عمل کرتا اور جو چاہتا سو بناتا ہے۔ مادہ ازلی ابدی اور خدا کا ہمسر اور ہمعصر ہے جس طرح کمہار بغیر مٹی کے کچھ نہیں بنا سکتا اسی طرح اگر مادہ نہ ہوتا تو خدا بھی کچھ نہ کر سکتا۔ یہ عقیدہ آریہ سماج وغیرہ کا ہے۔

سوم دہریہ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ مظاہر عالم اور ہر چیز مادہ کے مختلف مدارج کا نام ہے۔

ہمارا روئے سخن تیسری قسم کے لوگ ہندوستان میں بہت ہی کم ہیں۔ لہٰذا ہم ان سے کسی قسم کا تعارض نہ کریں گے۔ اگر ضرورت ہوئی تو ان کے متعلق ہم ایک خاص رسالہ پبلک کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے تیار رہیں۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ اگرچہ تعداد میں کم ہیں تاہم اس ملک میں موجود ہیں جنہیں آریہ سماجی کہا جاتا ہے۔ بالفعل ہمارا روئے سخن انہی مہاشئوں کی طرف ہے۔

(۲) مادہ کے خواص

مادہ کی صحیح تصویر اس کے خواص بیان کرنے سے آئینۂ ذہن میں مرتسم ہوگی اور اس کے بعد ہم اس امر پر بحث کریں گے کہ آیا مادہ قدیم ہے یا حادث۔ قا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ غیر سائنسدانان یورپ نے مادہ کی صفات کو دو شقوں میں تقسیم کیا ہے (۱) صفات عامہ (۲) صفات خاصہ۔

صفات عامہ وہ ہیں جو تمام اجسام میں مشترک ہیں اور صفات خاصہ وہ ہیں جو بعض اجسام میں مشترک ہیں اور بعض میں نہیں۔ مثلاً سونا ایک جسم ثقیل ذو لون فرمہی ہے یعنی بھاری اور طلائی رنگ کا۔ اس میں ثقل صفت عامہ ہے کیونکہ یہ صرف سونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ سونے اور دیگر اجسام میں مشترک ہے۔ لیکن لون ذہبی صفت خاصہ ہے کیونکہ یہ تمام اجسام میں پایا نہیں جاتا۔ بلکہ کسی جسم میں ہے اور کسی میں نہیں۔

مادہ کے صفات عامہ ہم نے کہا کہ مادہ کے دو صفات ہیں۔ خاصہ و عامہ۔ ہم پہلے صفات عامہ کا بیان کرتے ہیں کیونکہ مادہ کے وجود کا تصور بغیر اس کے محال ہے۔ اس قسم کی مشہور صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۳) مادہ کی صفات عامہ

(۱) **امتداد** یعنی جسم میں طول عرض و عمق کا ہونا جسے ابعادِ ثلاثہ کہتے ہیں۔

(۲) **عدم تداخل** یعنی چند جسم ایک ہی مکان میں اور ایک ہی وقت میں نہیں سما سکتے۔

مثلاً اگر کسی میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی ہو تو ساری دنیا مل کر بھی اس جگہ پر دوسری کتاب یا کوئی اور شے نہیں رکھ سکتی۔ اگر تداخل ممکن ہوتا تو اس کے یہ معنے ہوتے کہ رائی کے دانہ میں ہمالیہ پہاڑ سما سکتا ہے۔

(۳) **تجزیہ** یعنی مادہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو وہ قابل انقسام ہے۔ مثلاً سٹرکنین یعنی کچلے کے ست کا ایک قطرہ اگر ۱۷۵۰۰۰ قطرات آبی میں ملایا جائے تو پانی کے ہر ایک قطرہ میں اس کا مزہ چکھنے سے محسوس ہوتا ہے۔ پس پانی کے ہر ایک قطرہ میں ست کچلہ یعنی سٹرکنین کے ایک قطرہ کا $\frac{1}{175000}$ حصہ موجود ہوگا۔ یا بالفاظ دیگر ست کچلہ کا ایک قطرہ ۱۷۵۰۰۰ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

تار عنکبوت کی طوالت | جرمنی کے ایک عالم نے نہایت تفحص کے ساتھ ایک تار عنکبوت کا امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ہر ایک تار چار تاروں سے مرکب ہوتا ہے اور پھر ان چار تاروں میں سے ہر ایک تار ہزار اور تاروں سے مرکب ہوتا ہے۔ آخر کار وہ عالم اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر ان تاروں کے ....۴ تار باہم ملائے جائیں تو ان کا مجموعہ ایک تار ریش کی موٹائی کے برابر بھی نہ ہوگا چونکہ عنکبوت (یعنی مکڑی کے جالے) کا ایک تار چار ہزار باریک تاروں سے مرکب ہے لہذا اس کے ہر ایک ایسے باریک ترین تار کی ضخامت انسان کے بال کے $\frac{1}{........4}$ حصہ کے برابر ہے۔ یعنی تار عنکبوت کے سب سے باریک تار کو عرض میں ....۴ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سائنسدانان انگلستان نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک انچ تار عنکبوت کو کرۂ زمین کے گرد پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مادہ کا تجزیہ آنکھ کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر جب اس کی تقسیم اس حد کو پہنچے کہ نگاہ اپنا کام نہ کر سکے تو بذریعہ مائکرا سکوپ (ایک آلہ) یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

(۴) **مسامیت** یعنی جسم کے اجزا میں التصاق تام نہیں ہے بلکہ اس کے دقائق میں فسحات ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان حائل ہیں۔

سترھویں صدی عیسوی میں فلورنس کے ایک سائنسدان نے سونے کا ایک مجوف

کرہ بنا کر اس میں پانی بھر کر اچھی طرح سے بند کر دیا اور پھر باہر سے دبایا۔ جب کرہ کسی قدر مسطح ہو گیا تو پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے شبنم کے قطرات کی طرح اس کی سطح پر نمایاں ہو گئے جس سے کافی طور پر ثابت ہو گیا کہ اجزا میں مسامیت ہے۔

(۵) **استمرار** یعنی مادہ ایک ہی حالت پر رہ سکتا ہے۔ اگر وہ متحرک ہو تو متحرک اور اگر ساکن ہے تو ساکن ہی رہیگا۔ کیونکہ خود مادہ میں یہ قوت نہیں ہے کہ اپنی حرکت یا سکون کی حالت کو بدل سکے۔ اگر قوت جاذبہ، اصطکاک اور مزاحمت نہ ہو تو جس چیز کو ہم ایک دفعہ پھینک دیں وہ ابدالآباد تک متحرک رہیگی۔ علی ہذا القیاس جو چیز ساکن ہے وہ ساکن ہی رہیگی جب تک کہ کوئی طاقت اس کو حرکت نہ دے۔

(۶) **بقا یا عدم ملاشاۃ** یعنی مادہ اپنے آپ کو نیست نہیں کر سکتا۔ جو شمع جل کر خاک ہو جاتی ہے عوام خیال کرتے ہیں کہ وہ نیست ہو گئی حالانکہ وہ مختلف گیسوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مادہ پرستوں کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ قدیم ہے حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ ریڈیم کے تجربات سے یہ امر بالوضاحت ثابت ہو گیا ہے کہ مادہ کا ہر ایک ذرہ ہر لحظہ نیست اور معدوم ہوتا رہتا ہے۔ اگر آپ ریڈیم کے ایک ذرہ کو اسپنتھراسکوپ (   ) میں رکھ کر دیکھیں جس کو سر ولیم کروکس صاحب نے ۱۹۰۳ء میں ایجاد کیا تو آپ بچشم خود ملاحظہ کرینگے کہ سینکڑوں [illegible] روشنی کی چنگاریاں نہایت سرعت کے ساتھ اس سے خارج ہوتی رہتی ہیں۔ انہوں چنگاریوں کو جو شب و روز ہر وقت ریڈیم سے خارج ہوتی رہتی ہیں الکٹرون اور آیون کہتے ہیں۔ اس سے حکما نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ریڈیم کو ہر لحظہ فنا میں گذر رہتا ہے اس کا مادہ وہ ہے وہ نیست اور معدوم ہو کر غیر مادی بن جاتا ہے یا بہ عبارت دیگر ایک عنصر دوسرے عنصر سے تبدیل ہوتا ہے جو حدوث کی خاص الخاص علامت ہے۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کیلئے ہم آلہ مافوق کی رسم لکھدیں جس سے ان کو [illegible] حاصل ہو وہ یہ ہے۔

ل ۔ عدسیہ ہے جس کے ذریعہ سے دیکھا جاتا ہے۔
ر ۔ ریڈیم کا ذرہ ہے جو کہ پلی میٹر او پر
س پر رکھا ہوا ہے جو زنک سلفیڈ کا پردہ ہے۔

(۷) **انضغاط** یعنی داب کے ذریعہ سے جسم کے مسامات کو تنگ کرنا اور بھینچنا۔ اگر اجسام میں مسامیت نہ ہوتی تو کوئی جسم دب نہ سکتا۔

(۸) **ثقل** یعنی جسم میں وزن کا پایا جانا۔ گو کہ ثقل مادہ کی صفات عامہ میں داخل ہے لیکن فی نفسہٖ ثقل کوئی چیز نہیں۔ ثقل ایک اضافی شے ہے جو مختلف اماکن میں بدلتا رہتا ہے آگے چلکر ہم اس پر مفصل بحث کرینگے۔

(۹) **جوہریت** یعنی مادہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں ثقل شکل اور رنگ پایا جاتا ہے۔ انہی اجزا کو اجزائے دیمقراطیسی یا سالمات اور انگریزی میں ایٹم اور سنسکرت میں پرمانو کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ اجزا محض فرضی اور وہمی ہیں۔ کیونکہ اب تک باوجود اس قدر علمی ترقی کے نہ ان کو کسی نے دیکھا ہے اور نہ ان کے وجود پر کوئی معقول دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔

(۴) مسئلۂ جوہریت کی تاریخ

<u>فیثاغورث کا خیال</u> اگرچہ مسئلۂ جوہریت کے قائل فلاسفران یونان کے دور اول میں بھی موجود تھے لیکن تاریخ ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ یہ مسئلہ مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں گیا۔ فیثاغورث کی جس نے مشرق سے اس خیال کو اخذ کیا تھا یہ رائے تھی کہ وہ اجزا جو جسم کے مبدء کہے جا سکتے ہیں فی الحقیقت وہ واحد (یعنی جوہر فرد) ہے۔ واحد سے اعداد، اعداد سے نقاط، نقاط سے خطوط، خطوط سے سطوح، سطوح سے اجسام اور اجسام سے عناصر پیدا ہوتے ہیں یہ سب مستحیل و متغیر ہو جاتے ہیں۔ مگر جواہر معدوم نہیں ہو سکتے (تاریخ فلاسفہ)

اسٹرابون کے بیان کے مطابق مسئلۂ جوہریت کا بانی ایک فنیکی شخص مسمّی یہ

موسکاس تھا جو جنگ ٹرائے سے قبل موجود تھا۔ ظن غالب ہے کہ اسی زمانے میں یہ خیال یونان میں رائج ہوا ہوگا۔

<u>انکساغورث کی رائے [illegible]</u> قبل مسیح ایک اور زبردست مشہور فلاسفر پیدا ہوا جس کا نام انکساغورث تھا۔ اس نے مسئلۂ جوہریت کی خوب تردید کی۔ اس کے نزدیک مادہ کا چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی قابل انقسام ہے۔ ایک دفعہ اس حکیم نے یہ تعلیم دی کہ ایک مچھر کی ٹانگ سے اس قدر اجزا نکل سکتے ہیں کہ اگر لاکھوں آسمانوں پر پھیلائے جائیں تو وہ سب کو بھر دینگے اور تب بھی اس میں قابل انقسام جزو باقی رہیگا۔ لیکن اس قسم کے انقسامات کیلئے ماہر سائنسدان اور اعلیٰ آلہ کی ضرورت ہے (تاریخ فلسفہ)۔

<u>دیمقراطیس کا عندیہ</u> لیکن یونان میں سب سے زیادہ تفتیش اس مسئلہ کی حکیم دیمقراطیس نے کی جو مسیح سے تقریباً ... برس پیشتر موجود تھا۔ زمانہ حال کا میٹیریلزم (مادہ پرستی) درحقیقت وہی طریقہ ہے جس کو اس حکیم نے تقریباً اڑھائی ہزار برس پہلے رائج کیا تھا۔ اس حکیم کا یہ خیال تھا کہ جسم کی ترکیب نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے ہے۔ یہ لاتعداد ذرات لا محدود خلا میں گردش کرتے ہوئے بحساب دنیائیں پیدا کرتے ہیں۔ یہ ذرات ازلی غیر فانی اور غیر منقسم ہیں۔ ذرات میں کوئی طبعی تفاوت نہیں بمقدار کے اعتبار سے البتہ ان میں فرق ہے مثلاً پانی لوہے سے اس بات میں متفرق ہے کہ اس کے ذرات ملائم اور گول ہوتے ہیں لہذا ایک دوسرے میں پیوست نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک دوسرے پر غلطاں و لرزاں رہتے۔ لیکن لوہے کے ذرات چونکہ ہموار نہیں ہیں اس لئے وہ باہم پیوست رہتے ہیں۔

<u>اپی کیورس</u> خوش قسمتی سے حکیم دیمقراطیس کو ایک جانباز مددگار بھی مل گیا یعنی اپی کیورس۔ یہ شخص شہر ایتھنے میں سنہ [illegible] سال قبل مسیح پیدا ہو کر ۷۲ سال زندہ رہ کر سنہ [illegible] قبل مسیح مر گیا۔ یہ حکیم ایک مدت تک جزیرہ شاموس میں ایک افلاطونی معلم نمفیلیس نامی سے تعلیم پاتا رہا مگر اس تعلیم سے نا مطمئن ہو کر بطور خود دیمقراطیس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے دیمقراطیسی ہو گیا لیکن یہ شخص دیمقراطیس کے مذہب میں کچھ اضافہ نہ کر سکا بلکہ اُسی طریقہ کو ایک دوسرے پیرایہ میں پیش کیا اور بہت کچھ اُسے فروغ دیا۔

نکرلیشس ایک قلیل عرصہ کے بعد اس کا بھی ایک معاون پیدا ہوا جس کا نام نکرلیشس تھا یہ شخص ایک رومی شاعر تھا اور زمانہ سلف کے کل مادیین میں ایک قابل شخص سمجھا جاتا تھا۔ ان دونوں کی سعی و کوشش سے دیمقراطیسی مذہب چند دنوں تک چل نکلا، مگر ارسطو کے زبردست دلائل کے سامنے ان کی دال گلنے نہ پائی۔

ارسطو کی رائے حکیم ارسطو کے نزدیک جسم کی ترکیب اجزائے غیر متناہی سے ہے۔ یعنی جسم کو تقسیم کرتے چلے جاؤ کوئی بھی جزو ایسا نہ ملیگا جو تقسیم نہ ہو سکے چونکہ حکیم ارسطو کا قیاس صحیح تھا دیمقراطیسی مذہب کو زوال آگیا۔

یورپ میں دیمقراطیسی مذہب کی ابتدا یورپ میں سب سے اول جس شخص نے دیمقراطیس کے مذہب کی تائید اور ارسطو کی تردید کی وہ مشہور حکیم اور فلاسفر ڈکارٹ صاحب فرانسیسی ہے اور ایک انگریز فلاسفر جان ڈولٹن نے سنہ ۱۸۰۸ء میں اس کی تائید میں ایک کتاب لکھی لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے اس وقت یورپ والوں کی وہی رائے ہے جس کو ہم نے مسئلہ تجزیہ میں نقل کیا ہے۔

(۵) مادہ کی صفاتِ خاصہ

مادہ کی صفاتِ عامہ کا ذکر کر چکنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صفاتِ خاصہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ چنانچہ صفاتِ خاصہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) **انسحاب**۔ یعنی بعض اجسام میں تار بننے کی قابلیت یا وصف ہے۔ مثلاً ۲/۳ درہم سونے سے ۱۰۰ میل لمبا تار کھینچا جا سکتا ہے۔ سونا چاندی اور پلاٹینم تمام دیگر معدنیات سے زیادہ انسحاب قبول کرتے ہیں۔ پلاٹینم جو لوہے سے تین گنا سخت ہے اس کے ایک چھوٹے ٹکڑے سے ۱۰۰ میل لمبا تار بن سکتا ہے۔

(۲) **انطراق**۔ یعنی بعض جسموں میں کوٹے جانے کی صفت ہے۔ سونا سب سے زیادہ کوٹا جا سکتا ہے۔ ۱۲ درہم سونے سے ۳۶۰۰۰۰ درجن ورق بن سکتے ہیں۔

(۳) **صلابت**۔ یعنی بعض اجسام میں سختی کا وصف ہوتا ہے اور وہ بمشکل ٹوٹ سکتے ہیں۔ لوہا اور پلاٹینم سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

(۴) **مرونت**۔ یعنی بعض جسم لچکدار ہوتے ہیں مثلاً ربڑ۔ خواہ اس کو کھینچو، دبا ڈیا مروڑو وہ چھوڑ دینے کے بعد اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ خمیر میں بھی کسی قدر مرونت ہے۔

(۵) **قساوت**۔ یعنی بعض جسموں میں بمشکل دب سکنے کی خاصیت ہوتی ہے۔

(۶) **انفصاف**۔ یعنی بعض اجسام میں جلد ٹوٹ جانے کا وصف ہوتا ہے۔ مثلاً آئینہ وغیرہ۔

(۶) مادہ کی ماہیّت

مادہ کی صفات تو ہم مفصلاً سمجھا دیں مگر مادہ کی ماہیت کہ وہ کیا چیز ہے اس کا سمجھانا مادیین کا خاص فرض ہے جب سے خدا پرستوں کا مقابلہ مادہ پرستوں سے ہوا ہے اُس وقت سے لیکر اس ترقی کے زمانہ تک ان کا یہ سوال کہ مادہ کیا چیز ہے کرۂ ہوا میں گونج رہا ہے مگر کسی مادہ پرست سے آج تک نہ ہو سکا کہ اس کی حقیقت کی حقیقت سمجھاتے اگر کسی نے سمجھایا بھی تو یہ کہ

"جو چیز حواسِ خمسہ سے معلوم ہوتی ہے وہ مادہ ہے"۔

چشم ماروشن دل ماشاد۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حواس کے ذریعہ سے ہم کو کیا معلوم ہوتا ہے مثلاً ہمارے سامنے ایک نہایت خوبصورت گلدستہ رکھا ہوا ہے اس کی نسبت ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) ایک شعاع آنکھ پر پڑتی ہے اور ذہن کو سُرخی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) لمس سے ملائم اور صاف چیز کا ادراک ہوتا ہے۔

(۳) مشام کے ذریعہ سے خوشبوئی کا احساس ہوتا ہے۔

(۴) کان کے پردہ پر ہوائی لہر ٹکراتی ہے اور آواز محسوس ہوتی ہے۔

(۵) زبان سے ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔

پس مادہ میں ان پانچ کوائف کے سوائے کسی اور چھٹی چیز کا احساس ہم کو نہیں ہوتا۔ جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ فی الحقیقت مادہ فی نفسہٖ کوئی مستقل چیز نہیں ہے۔ بلکہ مختلف احساسات یا مجموعۂ اعراض کا نام مادہ رکھا گیا ہے اور بس۔

فی الحقیقت اگر کوئی شخص معلوماتِ انسانی کی تحلیل اور تجزیہ کرے تو اس کو بالوضاحت معلوم ہو جائیگا کہ دنیا تو ایسے تصورات ہیں جو فی الواقع آلات حس پر مرتسم اور منقش ہوتے ہیں یا خود اپنے نفس کے جذبات اور افعال پر توجہ کرنے سے انکا ادراک ہوتا ہے یا پھر حافظہ اور تخیل کی مدد سے انہی دو صنفوں کی باہمی ترکیب و تحلیل یا بعینہٖ اعادہ و تکرار سے بنتے ہیں۔ آنکھ سے ہم کو روشنی، رنگ اور ان کے مختلف انواع اور درجات کے تصور حاصل ہوتے ہیں۔ چھونے سے سختی، نرمی، حرارت، برودت، حرکت، مزاحمت اور ان کی کمیت اور کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ سونگھنے سے رائحہ کا اور چکھنے سے ذائقہ کا احساس ہوتا ہے۔ سننے سے لہجوں اور ترکیبوں کے اختلافات ہمارے ذہن تک آوازیں پہنچتی ہیں۔ اور چونکہ ان تصورات میں سے کئی کئی کا ایک دوسرے کے ساتھ علم ہوتا ہے اس لئے ان کا ایک ہی نام پڑ جاتا ہے اور پھر وہ ایک ہی چیز سمجھے جانے لگتے ہیں۔ مثلاً ایک خاص رنگ ذائقہ، رائحہ، اور شکل و صورت کا جب ہمیشہ یکجا علم ہوتا ہے تو وہ سب مل کر ایک چیز شمار ہونے لگتے ہیں جس کا نام آم رکھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح تصورات اور مجموعوں میں سے کسی کا نام پتھر ہو جاتا ہے کسی کا درخت کسی کا کتاب، کسی کا گلدستہ کسی کا کچھ۔ پھر یہ چیزیں خوشگوار یا ناگوار ہونے کی حیثیت سے، رغبت، نفرت، مسرت، کدورت، وغیرہ ذالک جذبات پیدا کرتی ہیں۔

ہمیں اس اعتراض کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے جو ہمارے بیانِ مافوق پر وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اخراجِ مافوق یعنے چھونا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، چکھنا عوارض ہیں اور مادّہ وہ محل ہے جس کے ساتھ یہ عوارض قائم ہیں۔ کاش! پرستارانِ مادّہ بالوضاحت یہ بتلاسکیں کہ عوارض کے قائم بالمادہ ہونے کے معنے کیا ہیں؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم

مادہ کا کوئی تصور نہیں رکھتے ہیں اسلئے اس کی وضاحت سے عاجز ہیں ہمارا جواب یہ ہے کہ مانا کہ آپ حقیقی مادہ کا تصور نہیں رکھتے لیکن اگر آپ اس لفظ کے کچھ بھی معنے سمجھتے ہیں تو کم از کم آپ کے ذہن میں اس کا ایک انسانی تصور ضرور ہونا چاہیئے۔ اور گو آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ مادہ کی حقیقت کیا ہے تاہم یہ ماننا پڑیگا کہ اتنا ضرور معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا اعراض کے ساتھ تعلق کیا ہے اور ان کے قیام بالمادہ کے کیا معنے ہیں یہ ظاہر ہے کہ یہاں "قیام" کا معمولی یا لفظی مفہوم نہیں لیا جا سکتا جس کی رو سے مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ عمارت ستون پر قائم ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اب اس کا مفہوم کیا لینا چاہیئے بڑے بڑے بلیغ النظر فلاسفہ نے **جوہر مادی** کے جو معنے بیان کئے ہیں، اگر ہم ان کی تحقیق کریں تو سبکے سب اس امر کے معترف نکلیں گے کہ وہ ان الفاظ سے بجز ایک وجود کلی کے جس میں محل اعراض ہونے کا مفہوم شامل ہے اور کچھ نہیں سمجھتے حالانکہ وجود کا تصور کم تمام تصورات سے زیادہ نا قابل فہم ہے، اور اس کے محل اعراض ہونے کے جیسا کہ میں ابھی کہہ آیا ہوں، معمولی لفظی معنے تو لئے نہیں جا سکتے۔ لہٰذا لامحالہ کوئی اور مفہوم ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ کیا ہے مادّہ پرست اس کی تشریح سے عاجز ہیں لہٰذا اس جوہر مادّہ یا عوارض محسوسہ کے محل پر بحث کی اب ہم کیوں زحمت برداشت کریں؟ اور کیا اس تمام اعتراض کی بنا اس وہم پر نہیں ہے کہ ان اثرات کا وجود ذہن سے باہر ہے جو صریح متناقض اور سرتاپا ناقابل تمسک ہے۔

لیکن اگر یہ ممکن بھی ہوتا کہ ان اعراض ذہنی کے بالمقابل فی الحقیقت مادہ ذہن سے باہر موجود ہوتا تو بھی ہمارے لئے اس حقیقت کا علم کیونکر ممکن ہوتا؟ کیونکہ یا تو ہم حواس سے جانتے یا قیاس سے۔ حواس کا یہ حال ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم کو محض اپنے احساسات تصورات یا ان اشیا کا علم ہوتا ہے۔ جنکا براہ راست حواس سے ادراک ہوتا ہے بس انہی چیزوں کو آپ جو چاہیں کہہ لیں مگر حواس سے اس بات کا ہرگز سراغ نہیں چلتا کہ جن اشیاء کا ہمکو ادراک یا احساس ہوتا ہے۔ ان کی مانند غیر محسوس چیزیں ذہن سے باہر بھی موجود ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کا خود مادّہ پرستوں کو اعتراف ہے۔ لہٰذا اگر خارجی اشیاء کا

ہمکو سرے سے کچھ علم ہو سکتا ہے تو اس کی صرف یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ قیاساً براہ راست ادراکات ذہنی سے ان تک پہنچیں۔

ارسطو کی تعریف مادہ ارسطو جیسا فلاسفر بھی مادہ کی حقیقت کے بیان کرنے سے قاصر رہا۔ اس نے مادہ کی دو متضاد تعریفیں کی ہیں۔ ایک سلبی اور دوم ثبوتی۔ تعریف سلبی میں وہ کہتا ہے کہ "مادہ نہ کسی چیز کا جوہر ہے نہ امتداد ہے نہ عرض ہے اور نہ امور موجودہ عارضہ میں سے کوئی چیز ہے" اور تعریف ثبوتی میں کہتا ہے کہ "مادہ مبدء ترکیب اشیاء و منتہائے اشیاء ہے" غرضیکہ ان دونوں تعریفوں سے بھی یہ پتہ نہیں لگتا کہ درحقیقت مادہ ہے کیا چیز۔ تعریف اول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ ایک امر عدمی ہے جو ان تمام صفات جزئیہ سے معرا ہے۔ جو محسوس اجسام کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ کرتے ہیں اس سے نہ تو کوئی فعل صادر ہوتا ہے نہ یہ کسی قسم کا احساس رکھتا ہے اور نہ کسی اور فرد بشر کو اس کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو بے حرکت، بے حس اور نامعلوم جوہر کہنے کے یہی معنے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسی تعریف ہے جس میں بجز محلیت کے اضافی خیال کے باقی سب کچھ سلبی ہے، حالانکہ مادہ صفت محل ہونے کے کوئی شئے اسکے ساتھ معلوم نہیں۔ اب آپ ہی فکر کریں کہ یہ تعریف عدمیت کی تفسیر سے کسقدر قریب ہے۔ اگر مبدء ترکیب و منتہائے تغیر کا نام مادہ ہے تو ظاہر ہے کہ ترکیب و تغیر ہمیشہ اعراض میں ہوا کرتی ہیں۔ گویا کہ ارسطو کے نزدیک بھی وہ بجز مجموعہ اعراض کے اور کچھ نہیں ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ مادہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے، جو منقسم نہیں ہو سکتے جن کو انگریزی میں ایٹمز یا سلامات کہتے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے ان چھوٹے چھوٹے اجزا کو دیکھا ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ نہیں۔

مقام غور ہے کہ مادہ پرست کس طرح دو متضاد قولوں میں گرفتار ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ مادہ کے متعلق ہم کو کسی قسم کا علم نہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ مادہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

مادہ کے متعلق فخر یورپ ہربرٹ سپنسر کی رائے اس بحث کے متعلق ہم فخر یورپ مشہور

معروف فلاسفر و سائنسدان ہربرٹ سپنسر صاحب سے محقق کے دلائل کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ حکیم موصوف کہتے ہیں کہ

"قدیم سے بحث چلی آ رہی ہے کہ مادہ کے لاتعداد اجزاء ہو سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں اور تیسرا ممکن ہی نہیں۔

(۱) اگر یہ کہو کہ مادہ کی تقسیم لامتناہی ہو سکتی ہے تو یہ بات عقل میں نہیں آ سکتی کیونکہ لامتناہی تقسیم کیلئے لامتناہی زمانہ چاہئے اور اس لامتناہی زمانہ کا صحیح ادراک محال ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تقسیم کرتے چلے جاؤ کہیں جزو ناقابل تقسیم نہ آئیگا پس یہ ایک مفروضہ امر ہے۔

(۲) اگر یہ کہو کہ مادہ کی تقسیم لامتناہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے اجزا آ جاتے ہیں جن کی تقسیم کسی قوت سے ممکن نہیں تو یہ امر بھی خلاف عقل ہے۔ کیونکہ ان اجزائے لاتجزیٰ میں ضرور ہے کہ ایک اوپر کی سطح ہو اور ایک نیچے کی سطح۔ پس یہ خیال کہ دونوں سطحیں ایسی قریب ہو جائیں کہ ان کے وسط میں کوئی چیز فارق نہ ہو بالکل محال ہے۔ غرض عقل انسانی میں دونوں باتیں نہیں آ سکتیں۔

علاوہ ازیں اجزائے مادہ کو خواہ کیسا ہی مضبوط اور ٹھوس سمجھو۔ مثلاً فولاد کا ٹکڑا۔ وہ بھی انہی اجزا سے مرکب ہے۔ اگر یہ اجزا بالکل متصل ہوں تو پھر سکڑنے کے قابل نہیں رہ سکتے کیونکہ ان کے درمیان فاصلہ مطلق نہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مادہ ایسا ٹھوس نہیں کہ جس کے اجزا میں فاصلہ نہ ہو"

نیوٹن صاحب کی رائے اب نیوٹن صاحب کا گمان ماننا پڑا کہ مادہ ان ذرات لاتجزیٰ (یعنی وہ ذرے جن کی تقسیم و تجزیہ نہ ہو سکے) سے مرکب ہے جو باہم متصل نہیں بلکہ منفصل ہیں مگر قوت دافعہ و قوت جاذبہ کے قوانین کے مطابق ایک دوسرے پر اثر کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بھی اس مشکل کو حل نہیں کر سکتا۔ تسلیم کیا کہ مادہ ٹھوس اجزا سے مرکب ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود اجزا کی ترکیب کیا ہے کیونکہ یہ اجزا بھی مادہ کا ایک چھوٹا سا تو دہ ہے اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان اجزا اور مادہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ پس وہی مشکل

درپیش رہیگی خواہ کتنا ہی ابتدائی جزو فرض کرلیا جائے۔

حکیم لیبنز صاحب کا خیال حکیم لیبنز صاحب کا یہ خیال تھا کہ مادہ ایسے خرد ذرّوں سے مرکب ہے جن میں ابعادِ ثلاثہ (طول، عرض و عمق) نہیں ہیں۔

حکیم بوسکوویچ کی رائے حکیم بوسکوویچ صاحب فرانسیسی نے اس قول کو رد کیا ہے کہ جب اجزا میں ابعاد نہیں تو مجموعہ میں طول، عرض اور عمق کہاں سے آگئے؟

اسی حکیم نے ریاضی کے قاعدہ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ مادہ نقاطِ قوت سے مرکب ہے جن کے مرکز جدا جدا ہیں۔ ہر مرکز بذریعہ جذب و دفع مادہ کے اجزا کو خاص فاصلہ پر رکھتا ہے۔ مگر حکیم ہربرٹ سپنسر صاحب اس رائے کی یوں تردید کرتے ہیں کہ مرکزِ قوت جس میں ابعادِ ثلاثہ نہ ہوں سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تاہم نیوٹن اور بوسکوویچ صاحبان کے دلائل سے بقول حکیم سپنسر صاحب قوت کا وجود ماننا پڑیگا۔ آخر میں حکیم سپنسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مادہ کی حقیقت سمجھنا بھی اور چیزوں کی طرح انسان کی عقل و ادراک سے بالاتر ہے۔

درحقیقت مادہ کی ماہیت کا سمجھنا اور سمجھانا ان لوگوں کیلئے جو اس کے وجود خارج از ذہن کے قائل ہیں بے حد مشکل بلکہ محال ہے چنانچہ اوراق گذشتہ میں اسی امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہیں ہے چونکہ قارئین میں مختلف مذاق کے اصحاب شامل ہیں لہذا اب ہم اپنی طرزِ بحث کو بدل کر علم طبعیات اور کیمیا سے اس پر بحث کرینگے کہ اس بے حقیقت کی ماہیت کیا ہے۔

ماہیت مادہ کے انکشاف میں مزید ترقی عناصر کی ساخت اور خرد ترین ذرات کی تحقیقات سے حاصل ہوئی ہے۔ اگر آپ کسی جنس کا کچھ حصہ لیکر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کریں تو عرفِ عام میں ایسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ذرات کہلاتے ہیں۔ چاک سے تختہ سیاہ پر لکھتے ہیں تو چاک کے ذرات سیاہ سطح پر چسپاں ہوتے ہیں۔ جب روشنی کی کرن کسی اندھیرے مکان میں سے گذرتی ہے تو ہوا میں بے شمار خرد ترین ذرات جو معمولی حالات میں غیر مرئی ہوتے ہیں آفتاب کی روشنی کے باعث نظر آنے لگ جاتے ہیں۔

آپ کسی جنس کے ایک خرد ترین ذرّہ کا تصور کریں اور سوچیں کہ اگر اس کو دو حصوں میں منقسم کیا جائے اور پھر ہر ایک حصہ کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اسی طرح یہ سلسلۂ تقسیم جاری رکھا جائے تو آخر الامر کیا چیز دستیاب ہوگی؟ اس امر میں متقدمین کے دو گروہ تھے ایک گروہ کا یہ خیال تھا کہ یہ سلسلۂ تقسیم غیر متناہی ہے۔ دوسرا یہ کہتا تھا کہ ایک خاص حد کے بعد تقسیم ناممکن ہوجاتی ہے۔ اس کو اصطلاحاً جزو لایتجزی کہتے ہیں اور انگریزی میں ایٹم ہر دو الفاظ کا مفہوم ایک ایسا چھوٹا جزو ہے جس کی مزید تقسیم ممکن نہیں ہوتی۔

کسی جنس کا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ جو بجائے خود موجود رہ سکتا ہے اور جس میں اس جنس کے جملہ خواص من وعن ایک چھوٹے پیمانہ پر پائے جاتے ہیں اُس جنس کا دقیقہ کہلاتا ہے۔ پس دقائق سے مراد مادہ کے چھوٹے چھوٹے ممکن الوجود ذرات ہیں جس طرح ایک دیوار کی تعمیر میں اینٹیں شامل ہوتی ہیں اسی طرح مادہ کے ہر ایک ذرہ کی ساخت انہی دقائق سے ہوتی ہے۔ خرد ترین ذرہ جو ہم کو برہنہ آنکھوں سے دکھائی دے سکتا ہے وہ کروڑہا دقائق سے بنا ہوا ہوتا ہے۔

پس مادہ کی ماہیت کے متعلق سائنٹیفک قیاس یہی ہے کہ مادہ کے اجزائے ترکیبی دقائق ہیں جو ہر وقت متحرک رہتے ہیں ان کے مابین خالی جگہیں ہوتی ہیں اور یہ ایک دوسرے سے ہر لحظہ ٹکراتے رہتے ہیں۔ اجسام کی تین حالتیں جامدہ، مائعہ و غازیہ انہی دقائق کی حیثیت اجتماعی کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ ہر ایک دقیقہ بالعموم متعدد اجزائے لایتجزی سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ مفرد اجناس یعنے عناصر اور غیر مفرد اجناس یعنے مرکبات کے اجزائے ترکیبی میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مؤخر الذکر اجسام کے دقائق کے مزید تجزیہ سے مختلف اقسام کے اجزائے لایتجزی حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن عناصر کے دقائق ایک ہی قسم کے اجزائے لایتجزی سے بنے ہوتے ہیں اکثر عناصر کے دقیقہ اور جزو لایتجزی میں کوئی فرق نہیں ہوتا بالفاظ دیگر عناصر کے دقائق صرف ایک ایک جزو لایتجزی سے بنے ہوتے ہیں۔

اس وقت تک ہم اس امر کی تشریح کرتے رہے ہیں کہ ذرات کی تقسیم سے سالمات اور سالمات کی تقسیم سے اجزائے لایتجزیٰ حاصل ہوتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اجزا بھی جن کو لایتجزیٰ کہا جاتا ہے منقسم ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ آریوں کے نقطہ خیال سے ان اجزا کی مزید تقسیم نہیں ہو سکتی ہے اور اسی پر ازلیت مادہ کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ جزو لایتجزیٰ سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اگر ہمارے حواس اس قدر زیادہ تیز ہو جائیں کہ ہم براہ راست ایک ایک جزو کو دیکھ کر طبعی طور پر تجزیہ کر سکیں تو بھی یہ اجزا ہم سے منقسم نہ ہو سکیں گے بلکہ ماہرین سائنس کی مراد ان اجزا سے صرف یہ ہوتی تھی کہ تمام مظاہر فطرت میں ان کو آج سے چند سال قبل تک ان اجزا سے زیادہ چھوٹے اور اجزا معلوم نہ تھے اور اسی لئے ان کا یہ نام (اجزاء لایتجزیٰ) چند سال قبل کسی قدر مبنی برحقیقت تھا۔ لیکن گذشتہ سو سالوں میں علوم طبعیات اور کیمیات میں مظاہر ریڈیم کے جدید مطالعہ اور علم البرق کے المضاعف انکشافات نادرہ سے ہماری معلومات میں بے نہایت قابل اعتنا اضافہ ہوا ہے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کتابی ہمارے تمام اجزائے لایتجزیٰ صرف ازمنہ سابقہ کی یادگار رہیں در حقیقت ہر ایک جزو لایتجزیٰ ہزار ہا خرد ترین اجزا سے مرکب ہوتا ہے اجزائے لایتجزیٰ کے ان انتہائی حصص کا نام برقیہ (الکٹران) وضع کیا گیا ہے اور سب سے حیرت انگیز انکشاف یہ ہے کہ تمام برقیہ (الکٹرانس) خواہ وہ سونے سے حاصل کئے جائیں یا لوہے سے، چاندی سے حاصل کئے جائیں یا پارے سے، مولد الماء (ہائیڈروجن) سے حاصل کئے جائیں یا نمک سے یکساں ہوتے ہیں وہ سب کے سب منفی برق کے اجزا ہوتے ہیں اور بلحاظ حجم، وزن، مقدار و خواص تماما ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور بوجہ اپنی برقیت کے ان کے خواص اجزائے لایتجزیٰ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ صحت اور یقین کے ساتھ دریافت کئے جا چکے ہیں۔ حالانکہ یہ اجزائے لایتجزیٰ کے مقابل میں ایسے ہی چھوٹے ہوتے ہیں جیسے کہ ایک مکھی ایک بہت بڑے مکان کے مقابل میں یا افراد نظام شمسی آفتاب کے مقابل میں ہیچ ہیں۔ اگر پچیس کروڑ اجزائے لایتجزیٰ ایک قطار میں کھڑے کئے جائیں تو یہ قطار صرف ایک عقدہ (انچ) لمبی ہوگی اور اتنی ہی جگہ میں جہاں کہ ایک جزو لایتجزیٰ واقع ہے کم از کم چار لاکھ برقیے (الکٹرانس)

آ سکتے ہیں۔

ماہرین سائنس کے گوہر درخشاں آلیورلاج لکھتے ہیں کہ

"اجزائے لایتجزیٰ دراصل الکٹران (برقیہ) کا مجموعہ ہیں، یہ الکٹران امواج ایتھر داثیر) ہیں جو فضائے عالم میں دائر و سائر ہے سرعت کیساتھ تڑپتے ہیں اسلئے مادہ کی اصل الکٹرونی (کہربائیت) ہے۔ اگر حساب لگایا جائے تو مولد الماء (ہیڈروجن) کے ایک ذرہ میں سات سو برقیے موجود ہیں سوڈیم میں سولہ ہزار اور ریڈیم کے ایک ذرہ میں ایک لاکھ سا ٹھ ہزار (ماڈرن ویوز آن میٹر صفحہ ۱۲ و ۱۳)

ریڈیم کے تجربات سے نہ صرف یہی ثابت ہو گیا ہے کہ اجزائے لایتجزیٰ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ بھی کہ **مادہ ہر لحظہ فنا ہوتا جاتا ہے**۔ اور نیز یہ کہ **ایک عنصر دوسرے عنصر سے تبدیل ہو جاتا ہے**۔ اگر چند سال قبل کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک عنصر دوسرے عنصر سے تبدیل ہوتا ہے تو یقینا ہم پر غشی طاری ہو جاتی۔ لیکن آج کل کی علمی تحقیقات نے اس کو اس قدر ناقابل التفات مسئلہ بنا دیا ہے کہ بجز آریہ سماج کے چند ناخواندہ افراد کے اور کوئی اس کی طرف خیال تک نہیں کرتا۔

پنڈت دیانند صاحب (۷)
اور
انکے چیلے پنڈت لیکھرام صاحب

پنڈت دیانند صاحب بانی آریہ سماج جن کو ہم اس سائنٹیفک (یعنی حکمت کی) بحث کے لائق نہیں سمجھتے ہیں اپنی پوتھی ستیارتھ پرکاش طبع ۱۹۰۸ء کے صفحات ۲۴۶ و ۲۴۷ میں لکھتے ہیں کہ "دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے یعنی علت فاعلی خدا ہے۔ مگر علت مادی دنیا کی پرکرتی ہے۔ پرکرتی انادی ہے"

پنڈت لیکھرام کلیات آریہ مسافر طبع ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۴۴ میں لکھتے ہیں کہ "چونکہ خدا غیر مادی ہے اس واسطے مادی دنیا اس سے نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ کسی چیز سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔ دنیا صرف قدرت سے نہیں نکل سکتی ہے اور نہ نکل سکتی ہے۔ قدرت صفت ہے وہ موصوف سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔"

انگلستان کے مشہور فلاسفر حکیم ہربرٹ سپنسر صاحب نے اپنی مشہور کتاب "فرسٹ پرنسپل" کے صفحہ ۱۴۴ سے ۱۴۶ تک یہ لکھا ہے۔

"مادہ ناقابل فنا چیز ہے اس وجہ سے کہ انسانی خیال میں یہ بات نہیں آسکتی کہ مادہ نیست سے ہست ہو جائے۔ اس بات کا تصور ایسا ہی محال ہے جیسا یہ امر کہ کوئی شخص کسی عدد کا معدوم ہونا بھی سمجھتا ہو اور [illegible] کا بھی اور پھر بھی ان کے مجموعہ کو ۱۱ سے تعبیر کرے۔ اول اول حکماء نے خیال کیا تھا کہ شاید مادہ فنا ہو سکے لیکن جب سے علم کیمیا سے مقداری دریافت ہوا ہے سینکڑوں طریقوں سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مادہ صرف صورت بدلتا ہے مگر وزن نہیں۔ اور اس کے اجزا کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔" آخر میں لکھتے ہیں کہ "مادہ کے ناقابل فنا و زوال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مادہ کے جز میں جس قدر قوت ہم محسوس کرتے ہیں اسی قدر قوت ہر حالت میں اس میں باقی رہتی ہے۔ یہ نہ ہو تو دنیا میں کسی علم اور کسی امر کا اعتبار نہ رہے۔ بشنار آج ایک ماشہ سونا تولتا ہے کل ممکن ہے کہ باٹ کا وزن خود بخود کم ہو جائے۔"

حکیم سپنسر کے خیال کی بنا

فاضل سپنسر صاحب کا یہ دعویٰ کہ مادہ فنا نہیں ہو سکتا ہے اس خیال پر مبنی ہے کہ مادہ فطرتی طاقتوں کے ذریعے سے نیست نہیں ہو سکتا جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ فطرتی طاقتیں مادہ کو ہست بھی نہیں کر سکتی ہیں۔ مگر ان نتائج تک دور دراز راہ سے پہنچنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم نہایت سہل طریقے سے اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں کہ مادہ نہ اپنے آپ کو خلق کر سکتا ہے اور نہ فنا کر سکتا ہے۔ بعینہٖ یہی ممکن یا حادث کی منطقی تعریف ہے۔ مادہ پرستوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ

"سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ میں کمی اور بیشی واقع نہیں ہوتی اور نہ وہ ہست

اور نیست کیا جا سکتا ہے۔"

مگر یہ ایک سنگین اتہام ہے جو سائنس پر لگایا جا رہا ہے۔ فی الواقع اس قسم کی ہرزہ سرائیاں بجائے توصیف کے سائنس کی توہین ہے۔ سائنس صرف یہ کہتی ہے کہ ایک غیر محدود قدرت بھی اس کو ہست یا نیست نہیں کر سکتی۔ پس جب تک ہم ایک اعلیٰ و ادنیٰ زبردست طاقت کے معترف ہیں اس وقت تک ہم ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ہم اس اعلیٰ قوت کو حاصل کر کے تجربہ نہ کر لیں۔

پنڈت لیکھرام کی تردید

پنڈت لیکھرام کا یہ کہنا کہ غیر مادی سے مادی نہیں نکل سکتا صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ صحیح اس اعتبار سے ہے کہ غیر مادی مادی کا جز نہیں ہو سکتا اور وہ اس حیثیت سے محض لغو ہے کہ مخلوقات خدا سے ایسی ہی نکلی ہیں جس طرح کہ زمین سے درخت یا پانی سے نکلے۔ ہم ہزاروں ایسی علتیں دیکھتے ہیں جو کسی شے کے اندر سے نہیں نکلتی ہیں مثلاً مقناطیس دور سے لوہے کو کھینچتا ہے۔ انسان کا غضبناک چہرہ دیکھنے والوں کو خوف پہنچاتا ہے لیکن اس سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رنج جو ایک غیر مادی شے ہے وہ چہرے سے نکلا یا دھات کی حرکت جو مقناطیس کا اثر ہے مادی چیز ہے۔

پنڈت جی اس زمانہ کے قیاس کے برتے پر یہ دعویٰ پیش کر رہے ہیں جس کو ہم دقیانوسی زمانہ کہتے ہیں اس رسالہ میں کسی اور جگہ اس پر ہم شرح و بسط کے ساتھ بحث کر چکے ہیں کہ ریڈیم کی دریافت نے سائنٹفک قیاسات میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اس قسم کے تمام خیالات کو بیہودہ ٹھہرا چکا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں ہم ریڈیم کی بابت کچھ اور تفصیل پیش کریں گے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح غیر مادی سے مادی اور مادی سے غیر مادی اشیا پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

یورے نیم (Uranium) اور تھوریم (Thorium) دو مشہور عنصر ہیں جنکے وزن ذراتی (Atomic weight) کو ایک خاص تفوق حاصل ہے عمل اشعاع کی وجہ سے ہمیشہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس

تحلیل بالفقدان کے بعد پھر ریڈیم ; Radium ، نیٹن (Niton)
پولونیم (Polonium) اور سیسہ یا سرب (Lead) وغیرہ عناصر
میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس کا مختصر بیان حسب ذیل ہے۔

یورے نیم جس سے سائنسدان سو سال پیشتر سے واقف ہیں ایک حقیقی عنصر ہے جس کا وزن ذراتی تخمیناً ۲۳۸ ہے جسکی پہلی تحلیل سے ہیلیم (Helium) پیدا ہوتا ہے، جس کا وزن ذراتی ۴ ہے۔ اور اس عمل کے تین بار اجرا ہونے کے بعد ریڈیم پیدا ہوتا ہے۔ جس کا وزن ذراتی تخمیناً ۲۲۶ ہے۔ ریڈیم پھر تین اشیائے غیر مادی میں تحلیل ہو جاتا ہے جنکو شعاع الفیہ و شعاع بائیہ و شعاع جیمیہ کہتے ہیں۔ شعاع اول برقیہ مثبتہ اور شعاع دوم برقیہ سالبہ یا الکٹران و شعاع سوم ایکس ریز (شعاع رونجن) ہے یا اس سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ ان تبدلات کا جو یورے نیم سے شروع ہوتے ہیں آخری مرحلہ جو اس وقت تک دریافت ہوا ہے سیسہ یعنی سرب ہے یہ وہ تجربات ہیں جنکی بنا پر اب ہم بہ بانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ ایک مادی چیز کا غیر مادی میں تبدیل ہونا اور اس کے برعکس سائنس کے مسلمات میں سے ہے۔

(۸) کیا وزن فنا نہیں ہوتا؟

اب حکیم سپنسر صاحب کے اس قول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کسی شے کا وزن فنا نہیں ہوتا مگر ہم ثابت کرینگے کہ وزن کوئی مستقل شے نہیں بلکہ قوت جاذبہ کے اثر کا نام وزن ہے جو ہر جگہ بدلتا رہتا ہے۔ یعنی جس جگہ قوت جاذبہ زیادہ مقدار میں ہوگی وہاں وزن بھی زیادہ ہوگا اور جہاں قوت جاذبہ کم ہوگی وہاں وزن بھی گھٹ جائیگا اور جہاں یہ قوت بالکل موجود نہ ہوگی وہاں وزن بھی معدوم ہوگا۔ مثلاً جو چیز خط استوی پر ایک من وزن رکھتی ہے۔ وہی چیز اگر قطبین پر وزن کی جائے تو اس کا وزن ایک من سے زیادہ نکلیگا کیونکہ خط استوی کی مرکز زمین سے دور ہے اور قطبین مرکز زمین

کے قریب ہیں۔ اگر اسی چیز کو مرکز زمین کے عین وسط میں منتقل کیا جائے تو وہاں وزن بالکل معدوم ہو جائیگا کیونکہ مرکز زمین کے عین وسط میں قوت جاذبہ بالکل نہیں ہے۔

مسٹر ایٹ ووڈ کا آلہ رقاص یا مسٹر ایٹ ووڈ صاحب کے آلہ سے اجسام ساقطہ کی حرکت کی سرعت اور بطوء اور نیز زمین کے مختلف قطعات و عرض البلاد کی قوت جاذبہ کا ضعف اور قوت دریافت ہو سکتی ہے۔ یعنی ایک ہی چیز زمین پر ایک ہی بلندی سے اس کے مختلف عرض بلد میں ایک ہی وقت میں مختلف رفتار کے ساتھ گرتی ہے۔ اس وقت تک جتنے تجربے ہو چکے ہیں ان میں سے بعض ہدیۂ ناظرین ہیں۔

نام مقام	عرض البلاد	مقدار کشش ایک سیکنڈ میں حسب فٹ	رقاص کی لمبائی فٹوں میں مختلف اقالیم میں
میونچ	۵۶	۳۲ر۱۱۸	۳ر۲۶۰۷
پیرس	۴۸	۳۲ر۱۸۳	۳ر۲۶۰۹
گرین وچ	۵۱	۳۲ر۱۹۱	۳ر۲۶۱۶
گاٹنجن	۵۱	۳۲ر۱۹۱	۳ر۲۶۱۶
برلن	۵۲	۳۲ر۱۹۴	۳ر۲۶۱۹
ڈبلن	۵۳	۳۲ر۱۹۶	۳ر۲۶۲۲
مانچسٹر	۵۳	۳۲ر۱۹۶	۳ر۲۶۲۱
بلفاسٹ	۵۴	۳۲ر۱۹۹	۳ر۲۶۲۵
ایڈنبرگ	۵۵	۳۲ر۲۰۳	۳ر۲۶۲۹
ایبرڈین	۵۷	۳۲ر۲۰۶	۳ر۲۶۳۲
قطب	۹۰	۳۲ر۲۵۵	۳ر۲۶۸۲

مسٹر ایٹ ووڈ کا آلہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ہندوستان میں شاید ہی کسی نے

اس کو دیکھا ہو اور کیا تعجب کہ کسی یونیورسٹی یا کسی کالج میں بھی نہ ہو اس لئے بیان مافوق
کو اچھی طرح سمجھنا بالتخصیص ان کے لئے جن کے واسطے ہم ازالہ مادہ لکھ رہے ہیں بہت
ہی مشکل ہے چنانچہ اس قسم کے کئی خط ہمارے پاس آبھی چکے ہیں، لہذا مناسب معلوم ہوتا
ہے کہ بحث مافوق کو اس طرح بیان کیا جائے جس کو ایک معمولی خواندہ شخص نہ صرف سمجھ سکے
بلکہ اگر چاہے تو بسہولت خود اس کا تجربہ بھی کر سکے۔

قوت جاذبہ کے اثرات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکے لئے سب سے آسان اور صحیح
آلہ میزان وزن نما ہے (Spring Balance) یعنی کمانی دار ترازو ہے جس کے
دراز ہونے اور کوتاہ ہونے سے قوت جاذبہ کی کثرت و قلت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی
ہے۔ مثلاً زمین کی قوت جاذبہ جب ایک غرام مقدار کو کھینچ لیگی تو میزان مافوق کی
کمانی ایک خاص فاصلہ تک نیچے کی طرف بڑھیگی (ا ب۔ رسم ۱) اور جب دو غرام مقدار
پر اثر کریگی تو اس کی کمانی اس سے بھی زیادہ بڑھیگی (ا ج) اور تین غرام پر جب اثر کریگی
تو وہ کمانی اس سے بھی زیادہ بڑھیگی (ا د) وغیرہ ذالک۔

اس تجربہ کا ماحصل یہ ہے کہ قوت جتنی بڑھیگی کمانی نیچے جھکتی جائیگی، لہذا اگر
آپ اس کمانی کی نوک سے اشارہ نما (Pointer) کا کام لیں اور اس کے
پیچھے ایک مسطح تختہ پیوست کرکے اس پر مختلف اوزان کے درجے بنائیں (رسم ۲)۔
تو یہ میزان وزن نما یا کمانیدار ترازو بن جاتا
ہے جو نہایت صحت کے ساتھ سطح زمین کے مختلف (!)
قطعات میں قوت جاذبہ کے مختلف درجات بتلائیگا
چنانچہ شکاگو (امریکہ) میں اس کی درازی ایک ہزار
میں ایک حصہ بہ نسبت پیرس کے کم ہوگی اور
خط استوا کے قرب و جوار میں اس کی درازی
ایک ہزار میں پانچ حصہ قطب کے قرب و جوار کی بہ نسبت کم ہوگی جس کی وجہ کچھ تو
زمین کی گردش ہے اور کچھ زمین کے کروی ہونیکی وجہ سے مرکز کا قرب و بعد ہے۔
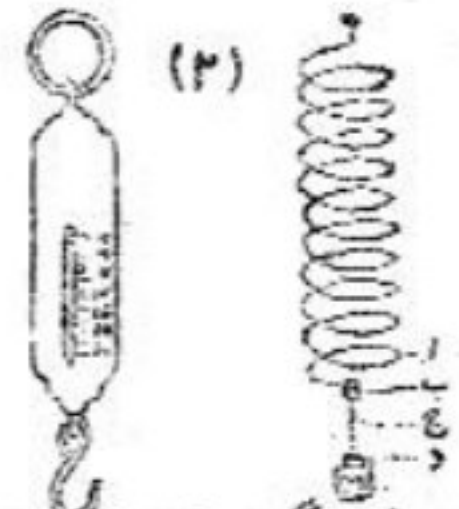
اس ترازو کی وساطت سے آپ اپنے گھر میں بھی اس کا تجربہ باسطرح کر سکتے ہیں کہ
اس کی چنگل پر لوہے کا ایک ٹکڑا آویزاں کر دیجئے اور اشارہ نما سے اس کا وزن دریافت
کرنے کے بعد اس کے نیچے مقناطیس کا ایک مسطح ٹکڑا رکھ دیجئے تو آپ دیکھکر حیران ہونگے
کہ اس کا وزن بہ نسبت سابق کے کچھ زیادہ ہو گیا ہے۔ اور اگر آپ اس ترازو کو لیکر عین مرکز
زمین میں اتر سکیں تو وہاں آپکے لوہے کے ٹکڑے کا کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔

(۹) وزن اور قوت جاذبہ

ہمارے تمام بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ مادہ کی عدم [illegible] کی بنیاد محض
اس مسئلہ پر ہے کہ مادہ کا وزن فنا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ حکیم سپنسر صاحب کا قول ہم اوپر
نقل کر چکے ہیں۔ اور ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ وزن قوت جاذبہ کا دوسرا نام ہے جو زمین
کے ہر حصے میں بلکہ کائنات کے ہر ذرہ میں مرکز کے قرب و بعد کی وجہ سے گھٹتا بڑھتا
رہتا ہے۔ مثلاً اگر ایک جسم کا وزن سطح زمین پر سو رطل ہے تو سطح آفتاب پر اسی جسم کا
وزن دو ہزار سات سو رطل ہو جائیگا۔ جس چیز کا وزن سطح زمین پر ایک رطل ہے اسی
چیز کا وزن سطح ماہتاب پر [illegible] رطل ہو جائیگا۔ عطارد چونکہ زمین سے بہت چھوٹا ہے
اسلئے اس کی کشش زمین کی کشش سے بھی کم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر آپ
ایک سیر وزنی لوہے کا ٹکڑا عطارد کی سطح پر لیجا سکیں تو وہاں اس کا وزن صرف
سات چھٹانک رہ جائیگا۔

نیز اجسام ساقطہ کی سرعت اور بطوء سے بھی قوت جاذبہ کی کثرت و قلت معلوم
ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک جسم جو آزادانہ طور پر زمین پر گر جاتا ہے وہ اول ثانیہ یا سیکنڈ میں
۱۶ قدم (فٹ) کے حساب سے گرتا ہے لیکن وہی جسم آفتاب پر اول ثانیہ میں
۴۳۰ قدم (فٹ) کے حساب سے گریگا۔ ہم سطح ماہتاب پر زمین کے لحاظ سے چھ گنا زیادہ
اوپر کی طرف جست کر سکتے ہیں لیکن [illegible] کی سرعت سے نیچے کی طرف گرینگے۔ اس
طرح عطارد کی وجہ زمین اور چاند کی قوت جاذبہ کی اور آفتاب کی قوت جاذبہ کی

زیادتی ہے۔ لہٰذا اس کو مادہ کی عدمِ فنائیت کا معیار قرار دینا غلطی ہے۔ کیونکہ وزن مختلف اماکن میں بدلتا رہتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس قوت کا وجود بالکل نہ رہے جیسے کہ زمین کے عین مرکز میں نہیں رہتا پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔

پس وہ تمام کیمیائی تجربات جن کی بنا پر حکیم سپنسر صاحب دعوے کرتے ہیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کی بنیاد کیمیائے مقداری پر ہے اور کیمیائے مقداری کا دارومدار وزن پر ہے اور وزن بذاتِ خود کوئی چیز ہی نہیں۔ پس یہ کہنا کہ مادہ قدیم ہے اور فنا نہیں ہو سکتا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

مشہور فلاسفر اور ہیئت دان سر جان ہرشل صاحب فرماتے ہیں کہ

"جب سے نیچر کا بازار گرم ہوا ہے اس وقت سے لیکر آج تک اس کے کسی عمل اور کسی انتظام نے مادہ کے کسی ذرہ میں کسی طرح کا فرق پیدا نہیں کیا۔ پس ہم نہ اُن ذرات کے وجود کو اور نہ اُن کی خاصیتوں کو جو ہمیشہ یکساں نظر آتی ہیں کسی نیچرل اسباب سے منسوب کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہر ذرہ کا اپنی قسم کے دیگر ذرات کی مانند ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کو کسی صانع کی حکمت نے ایسا بنایا ہے جیسا کہ وہ ہے اور اس سے یہ خیال کافور ہو جاتا ہے کہ وہ (مادہ) ایک ازلی ہستی ہے۔"

(۱۰) دیانند کی تردید دیانند کے قول سے

ہم نے اس رسالہ میں کہیں دیانند صاحب کا قول نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پرکرتی ازلی ہے۔ گو اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اور پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مادہ مجموعہ اعراض کا نام ہے اور مرکب ہے پس مرکب حادث ہے۔ لہٰذا مادہ حادث اور قابلِ فنا ہے۔ تاہم محض اس خیال سے کہ پبلک جان لے کہ خود دیانند صاحب اپنے قول پر قائم نہیں رہے اور اپنی تردید آپ ہی کرتے ہیں آپ کی پوتھی رگوید آدی بھاشیہ

بھومکا سے ذیل کی عبارات بجنسہٖ نقل کر کے ناظرین سے التماس ہے کہ وہ ان کی عبارت کو پڑھ کر آپ کی متلون مزاجی کی داد دیں۔ لکھتے ہیں۔

"اس جگدیشور (پرمیشور) نے پرتھوی یعنی زمین کے بنانے کیلئے پانی سے رس کو لیکر مٹی کو بنایا۔ اسی طرح اگنی سے پانی کو پیدا کیا اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاش سے اور اکاش کو پرکرتی سے اور پرکرتی کو اپنی **قدرت** سے پیدا کیا۔" صفحہ ۸۳۔ (پیدائش عالم کا بیان)۔

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

"جس وقت یہ ذروں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی، اُس وقت یعنے پیدائش کائنات سے پہلے اَست (غیر محسوس حالت تھی) یعنے شونیہ اکاش بھی نہیں تھا کیونکہ اس وقت اس کا کچھ کاروبار نہ تھا، اس وقت ست (پرکرتی یعنے کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں) وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے، ورات (کائنات) میں جو آکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اُس وقت صرف پربرہم کی سامرتھ **(قدرت)** جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر (پرم) بے علت (اکارن) ہے موجود تھی۔ صبح کے وقت جو کُہر دھوئیں کی طرح پڑتی ہے اس میں خفیف سی رطوبت ہوتی ہے، جس طرح اس رطوبت سے زمین نہیں ڈھک سکتی اور نہ ندی یا نالہ چل سکتا ہے، کیونکہ اس میں پانی ہی کتنا ہوتا ہے اور کیا اس کی بساط ہوتی ہے جو کسی چیز کو ڈھانپ سکے۔ اسی طرح پرمیشور کا کوئی اوڑک یعنے ڈھانپنے والا نہیں ہے کیونکہ اُس کے سامنے سب ہیچ و ناچیز ہیں۔ تمام کائنات اسی کی **قدرت** سے پیدا ہوتی ہے، پر اس برہم کے سامنے اس شئے کی کیا ہستی و حقیقت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اس برہم کو کوئی شئے نہیں ڈھانپ سکتی، یہ تمام کائنات اس غیر متناہی برہم کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

پھر لکھتے ہیں کہ

"وہ پرجاپتی سب مخلوقات کا مالک جیو اور اس کے علاوہ جڑ (غیر ذی روح)

کائنات کے اندر موجود سب کا منتظم، غیر موجود حاضر و ناظر ہے۔ اسی کی قدرت (سامرتھ) سے یہ تمام گوناگوں کائنات پیدا و ظاہر ہوتی ہیں (صفحہ ۸۴)۔

پھر لکھتے ہیں کہ

"پرکرتی (مادہ کی حالت اولین) وغیرہ اعلیٰ و لطیف کائنات اور گھاس مٹی چھوٹے کیڑے مکوڑے وغیرہ ادنیٰ مخلوقات نیز انسان کے جسم سے لیکر آکاش تک متوسط درجہ کی کائنات یہ تینوں قسم کی دنیا پرماتما دیو نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہے" (صفحہ ۸۵)۔

سوامی جی نے نہ فقط رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا میں قدامت مادہ کی تردید کی ہے بلکہ اپدیش منجری میں جو سوامی جی کے پندرہ لیکچروں کا مجموعہ اور ستیارتھ پرکاش کے بعد کی کتاب ہے قدامت مادہ کا اس خوبصورتی کے ساتھ ابطال کیا ہے کہ کس کی مجال ہے کہ کوئی آریہ سماجی اس سے انکار کر سکے۔ سنئے سوامی جی فرماتے ہیں:

"جگت کی پیدائش کے متعلق دو ایک سوالوں پر غور کرنا پڑتا ہے۔ جگت کیسے پیدا ہوا اور کس نے پیدا کیا، یہ سوال ہیں۔

नासदासीन्नो सदासीत्तदानीं नासीद्रजो
नोव्योम परो यत्। किमावरीवः कुह
कस्य शर्मन्नम्भः किमासीद्गहनं गभीरं॥३॥

(دیکھو رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۲۹ منتر اول)۔

"جب یہ پرکرتی ہی نہیں تھی اور نہ کاریہ (بنا ہوا جگت) ہی تھا۔ پیدائش و قیام اور فنا وغیرہ کو کاریہ کہتے ہیں ست یعنے پرکرتی کا بیان سانکھیہ شاستر میں کیا ہے جس شاستر میں ست۔ رج اور تم تینوں گنوں کا جو اتحاد ہے اُسے پرکرتی مانا ہے۔ اب یہ پرکرتی سے جس طرح پر کہ جگت کی پیدائش ہوئی اس کا بیان ذیل کے سوتر میں کیا ہے:

सत्वरजस्तमसां साम्यावस्था प्रकृतिः
प्रकृतेर्महान् महतोऽहङ्कारात् पञ्च त-

न्मात्राण्युभयमिन्द्रियं तन्मात्रेभ्यः स्थू
लभूतानि पुरुष इति पञ्चविंशतिर्गणः॥
सां० अ० १ सू० ६१॥

اگر اس جگہ کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب پہلے پرکرتی ہی نہیں تھی تو جگت کا کام کیسا ہوا تو اُس کے لئے ایک تمثیل کافی ہے۔

"زمین پر اوس پڑ کر گھاس اور درخت کی پتیوں پر اُس کی بوندیں نظر آتی ہیں لیکن اس وجہ سے یہ اُس زمین کا ڈھکن نہیں ہوتا اسی طرح پہلے کسی طرح کا ڈھکن نہیں تھا" (اپدیش منجری صفحہ ۹۵ و صفحہ ۹۶ آٹھواں ویاکھیان۔ مترجمہ منشی رام جگیاسو۔ مطبوعہ ستیہ دھرم پرچارک جالندھر شہر)۔

دیکھئے سوامی جی کس صداقت کے ساتھ قدامت مادہ کے ابطال پر ایمان رکھتے ہیں اور کس طرح ایک معترض کے اعتراض کا دندان شکن جواب دے رہے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی ایسا آریہ سماجی ہے کہ سوامی جی کی اس تعلیم کو لغو اور باطل مان کر اس کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہو؟

چونکہ یہ لیکچر ستیارتھ پرکاش کے مکمل ہونے کے بعد کا ہے (صفحہ علیہ) لہذا خود دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش کی تعلیم قدامت مادہ پر پانی پھیر دیا اور اُس کی بطالت پر مُہر کر دی۔

اب آریوں کا یہ سوال بھی کہ خدا نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

(۱۱) حدوث مادہ کی فلسفیانہ دلائل

اس وقت تک جس قدر لکھا گیا وہ محض علوم جدیدہ اور خصوصاً سائنس کے اصول پر حوالہ قلم کیا گیا ہے نامناسب نہ ہوگا اگر حدوث مادہ کے متعلق چند مختصر مگر قاطع دلائل فلسفیانہ طرز پر بھی لکھی جائیں۔

(۱) مادہ خواہ کسی حالت میں ہو یعنی محسوس ہو یا غیر محسوس ابتدائی حالت میں

ہو یا انتہائی حالت ہیں۔ صورت سے خالی نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا مادہ اپنے وجود میں صورت کا محتاج ہے اور محتاج الیہ کا تقدم وجودِ محتاج پر بدیہی و مسلمۂ عام ہے۔ پس مادہ اپنے وجود میں صورت سے مؤخر ہے اور جو مؤخر ہے وہ حادث ہے۔ لہٰذا مادہ حادث ہے۔

(۲) دیانند صاحب لکھتے ہیں کہ جو شے ترکیب سے بنتی ہے وہ ترکیب سے پیشتر نہیں ہوتی اور تقسیم و تفریق کے آخر میں نہیں رہتی" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۰۸ فقرہ ۵ ۲۸۵) ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ مادہ مرکب ہے۔ لہٰذا وہ ترکیب سے پیشتر نہ تھا اور تقسیم و تفریق کے بعد نہ رہیگا پس مادہ حادث ہے۔

(۳) پنڈت لیکھرام کلیات آریہ مسافر کے علوم متعارفہ میں لکھتے ہیں کہ "جو جزء میں نہیں ہوتا وہ کل میں نہیں ہوتا"۔

اس پر ہمارا یہ سوال ہے کہ مادہ کے اجزائے لایتجزیٰ میں ابعاد ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو کل میں وہ کہاں سے آگئے؟ اور اگر ہیں اور ضرور ہیں تو وہ منقسم ہو سکتے ہیں اور جو شے منقسم ہو سکتی ہے وہ حادث ہے لہٰذا مادہ حادث ہے۔

(۴) فرض کرو کہ یہ سطر (←————→) ایک ہزار اور ایک جواہر فردہ سے مرکب ہے اور ہم اس کو پورے دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ سوال ہے کہ سطر مذکورہ پورے دو حصوں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہو سکتی تو تمام اقلیدس کی کتب و تجربات غلط ثابت ہونگے۔ مگر یہ امر ناممکن ہے۔ اور اگر ہو سکتی ہے تو ضرور ہے کہ پانچ سو اور آدھا جواہر ایک طرف ہوں اور پانچ سو اور آدھا جواہر دوسری طرف پس ایک جوہر بیچ میں منقسم ہو گیا۔ اور جو منقسم ہوتا ہے وہ حادث ہے۔ پس مادہ حادث ہے۔

غرضیکہ ہم اسی قسم کے اور ہزارہا دلائل بوجہ ابطال قدامت مادہ پر لا سکتے ہیں لیکن بمصداق عقلمنداں را اشارہ کافیست اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ خداوند آریوں اور ان کے ہمخیالوں کو چشم حق بین عنایت کرے تاکہ وہ حقیقی معنوں میں خدا پرست ہو جائیں۔

آریوں کا سچا بہی خواہ (پادری) سلطان محمد (افغان) خجگنڈہ۔ یوپی۔